۱۱

قربانیوں کے میدان میں کبھی سُست نہیں ہونا چاہئے

(فرمودہ ۱۸؍ مارچ ۱۹۳۸ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا: -

''مَیں نے کئی دفعہ جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جلالی ہوتے ہیں اور ایک جمالی۔ اس مسئلہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں اتنا زور دیا ہے اور اتنی وضاحت سے اس کو بیان فرمایا ہے کہ کوئی شخص بھی جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو پڑھا ہو، اِس سے غافل نہیں رہ سکتا کہ انبیا ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ انبیاء ہوتے ہیں جو جلالی رنگ میں آتے ہیں اور ایک وہ انبیاء ہوتے ہیں جو جمالی رنگ میں آتے ہیں۔ جو انبیاء جلالی رنگ میں آتے ہیں اُن کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ ان کی قوم کو دشمن سے لڑائیاں کرنی پڑتی ہیں۔ ان لڑائیوں میں فتوحات ہوتی ہیں اور اس طرح قریب ترین زمانہ میں اللہ تعالیٰ انہیں حکومت دے دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ تمام شرعی احکام کا نِفاذ کر کے دنیا میں شریعت کو عملی رنگ میں قائم کر دیتے ہیں۔ مگر دوسری قسم کے انبیاء جو جمالی رنگ میں آتے ہیں ان کی بعثت سے پہلے چونکہ کسی جلالی نبی کے ذریعہ شریعت دنیا میں قائم ہو چکی ہوتی ہے، گو مرورِ زمانہ کی وجہ سے لوگ اُسے بھُول چکے ہوتے ہیں اس لئے یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ شریعت کا قیام فوری طور پر عمل میں لایا جائے۔

پس اللہ تعالیٰ انہیں تدریجی رنگ میں ترقیات دیتا اور تدریجی رنگ میں ہی وہ شریعت کے احکام کا دنیا میں قیام کرتے ہیں۔ اور چونکہ دنیا جلالی قسم کے انبیاء سے یہ دھوکا کھا جاتی ہے کہ شاید اُنہوں نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب پھیلایا ہے، اس لئے خدا تعالیٰ اس اعتراض کو مٹانے کیلئے بعد میں جمالی انبیاء بھیجتا ہے جو تبلیغ کے ذریعہ وہی مذہب دنیا میں قائم کرتے ہیں۔ اس طرح جہاں ایک طرف ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی جمالی صفات دنیا میں ظاہر ہوتی ہیں، وہاں ان سے پہلے جلالی نبی پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب پھیلایا، اس کا بھی دفعیہ ہو جاتا ہے۔

اب وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب دنیا میں قائم کیا اور لڑائی کے نتیجہ میں اپنی حکومت قائم کر کے یہود کو بامِ ترقی پر پہنچایا یا وہ جو حضرت کرشنؑ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مخالفوں سے لڑائی کی اور انہیں تلوار سے ہلاک کر کے اپنے ساتھیوں کی حکومت ہندوستان میں قائم کر دی یا وہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے تلوار کے زور سے عرب فتح کیا اور اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہوا، ان کے سامنے جب یہ سوال رکھا جاتا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب دنیا میں قائم کیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادموں میں سے ایک خادم اور آپ کی اُمت کے ایک نبی حضرت مسیح علیہ السلام نے بغیر تلوار چلائے کس طرح دینِ عیسوی دنیا میں قائم کر دیا جو درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی لایا ہوا مذہب تھا۔ بعد میں لوگوں نے بگاڑ کر اُس کی اَور شکل بنا دی، تو وہ سوائے خاموش رہنے کے اور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس طرح ان کا اعتراض فوراً باطل ہو جاتا اور کوئی ہوش مند انسان یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اعتراض محض قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بغیر تلوار چلائے لوگوں کو اپنا ہم خیال نہیں بنا سکتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بغیر تلوار چلائے کس طرح لاکھوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اسی طرح اگر کرشن جی پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا تو اِس کے جواب میں یہ بات پیش کی جاسکتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت رام چندر جی جو اُن کے بعد آئے اُنہوں نے صلح، محبت اور

قربانی سے کام لیتے ہوئے اپنے مذہب کی اشاعت کی اور لوگوں نے انہیں قبول کیا۔ اگر حضرت رام چندر جی بغیر لڑائی اور تلوار اٹھائے اپنا مذہب دنیا میں پھیلا سکتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت کرشنؑ نہیں پھیلا سکتے تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا، اس اعتراض کا دفعیہ اب خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کرنا چاہتا ہے۔

دنیا کہتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مذہب پھیلانے کیلئے تلوار چلائی اور لوگوں نے تلوار کے ڈر سے آپ کو قبول کر لیا۔ مگر اب خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں اس لئے بھیجا ہے تا آپ دلائل اور براہین کے ساتھ اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب ثابت کریں اور اس طرح اللہ تعالیٰ ان معترضین کو یہ جواب دے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شاگرد، ایک خادم اور ایک غلام تبلیغ کے ذریعہ اسلام کو تمام دنیا میں پھیلا سکتا ہے تو کیا وہ آقا جس کی قوتِ قدسیہ نے ایسا عظیم الشان شاگرد پیدا کیا ہے، تبلیغ کے ذریعہ دین نہیں پھیلا سکتا تھا؟ یقیناً وہ بھی تبلیغ کے ذریعہ اپنا دین پھیلا سکتا تھا مگر خدا تعالیٰ کی حکمت نے اُس وقت جلال کا ظہور چاہا اور اُسی کی حکمت نے اب جمال کا ظہور دنیا میں فرمایا۔

پھر میں نے کئی دفعہ جماعت کے دوستوں کو خواہ وہ قادیان کے ہوں یا باہر کے اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جلالی رنگ کے زمانہ میں وہ ہمیشہ جلد جلد ایسی قربانیاں طلب کرتا ہے جن کا نتیجہ تھوڑے ہی دنوں میں ظاہر ہو جاتا ہے جیسے جان کی قربانی ہے۔ مگر جمالی زمانہ میں خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ قربانیوں کا مطالبہ کرتا ہے اور جیسا کہ میں نے کئی دفعہ بتایا ہے یہ قربانیاں جن کا مطالبہ آہستہ آہستہ کیا جاتا ہے کوئی کم قسم کی یا ادنیٰ قسم کی قربانیاں نہیں ہوتیں بلکہ بعض حالات میں پہلی قسم کی قربانیوں سے یہ زیادہ سخت ہوتی ہیں اور درحقیقت انسانی ایمان کی آزمائش ایسی ہی قربانیوں سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اوّل تھوڑی قربانی سے دل پر دہشت طاری نہیں ہوتی اور بِالعموم انسان اس کے کرتے وقت پوری ہمت سے کام نہیں لیتا۔ بے شک جو مؤمن ہوتا ہے وہ باوجود اس کے کہ خطرہ نمایاں صورت میں اس کے سامنے نہیں ہوتا، قربانی کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ مگر جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ اس تسلی میں رہتا ہے کہ ابھی

کوئی گھبراہٹ کا موقع نہیں اور اس طرح باوجود اپنے دل میں کسی قدر ایمان رکھنے کے وہ قربانی کے صحیح مقام پر کھڑا نہیں ہوتا اور دھوکا میں مبتلا رہتا ہے۔ مگر جہاں لڑائی ہو رہی ہو، جہاں تلواریں چل رہی ہوں، جہاں کفار اپنی پوری طاقت سے مسلمانوں کو مٹانے کیلئے حملہ آور ہوں وہاں نفس انسان کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہاں جب کبھی دھوکا دے گا اس رنگ میں دے گا کہ اسلام کو چھوڑ و، اس میں شامل رہ کر تو مصائب ہی مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ خطرہ کوئی نہیں۔ مثلاً جب کفارِ مکّہ کا لشکر آ گیا اور مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ ابوجہل یا ابوسفیان اس کا کمانڈر ہے اور ہزاروں آدمی اس لشکر میں شامل ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار ہیں تو اُس وقت کونسا کمزور سے کمزور مسلمان بھی کہہ سکتا تھا کہ کوئی خطرہ نہیں، یہ محض وہم ہے۔ لیکن اگر دشمن کا حملہ مخفی ہے یا ظاہری سامانِ حرب کی بجائے دلائل سے وہ اسلام کے قلعہ پر حملہ آور ہے یا مختلف رنگ کی سازشوں سے وہ اسلام کو کُچلنا چاہتا ہے یا منافقت کے ساتھ مسلمانوں میں شامل رہ کر اسلام کو ضُعف پہنچانا چاہتا ہے تو ان تمام صورتوں میں جب کہا جائے گا کہ آؤ اور قربانی کرو تو بہت سے کمزور طبع لوگ یہ کہنے لگ جائیں گے کہ یونہی ڈرا رہے ہیں دشمن کی طرف سے تو کوئی حملہ نظر نہیں آتا۔ پس اس وجہ سے یہ ابتلاء زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اور اگر پہلی قسم کے ابتلاء میں بعض کمزور ایمان والے بچ بھی جاتے ہیں اور وہ خطرہ کو اپنے سامنے دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ قربانی کا وقت آ گیا ہے تو دوسری قسم کے ابتلاء میں باوجود ایمان رکھنے کے بعض لوگ تباہ ہو جاتے ہیں کیونکہ جو قربانی کا وقت ہوتا ہے اسے وہ محض اس وجہ سے کہ دشمن کا حملہ مخفی ہوتا ہے کھو بیٹھتے ہیں۔

پھر دوسرا خطرہ جمالی زمانہ کی قربانیوں میں یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ لمبی قربانیوں سے گھبرا جاتے ہیں۔ کئی دفعہ میں نے مثالوں سے بھی اِس بات کو ثابت کیا ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جنہیں اگر یہ کہا جائے کہ جاؤ اور دشمن سے لڑ کر مر جاؤ تو وہ فوراً اپنی جان دینے کیلئے تیار ہو جائیں گے لیکن اگر روزانہ اُن سے تھوڑی تھوڑی قربانی کا مطالبہ کیا جائے تو وہ رہ جائیں گے اور قربانی میں ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگ جائیں گے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت یہ خبر دی ہوئی ہے کہ جماعت پر ابتلاء پر ابتلاء

آئیں گے اور آزمائش پر آزمائش ہوگی، یہاں تک کہ بہت سے لوگ جھڑ جائیں گے اور صرف وہی باقی رہ جائیں گے جو سچے مؤمن ہوں گے اور اُنہی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ احمدیت کو فتح دے گا۔

بہت سے نادان ایسے ہیں جو میری نسبت اعتراض کرتے رہتے ہیں اور دنیا کا طریق بھی کچھ ایسا ہے کہ جو حاضر شخص ہوتا ہے اس پر اعتراض لوگ آسانی سے قبول کر لیتے ہیں کیونکہ کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اسے لوگوں کے خلافِ منشاء کرنی پڑتی ہیں اور اس کا اُنہیں رنج ہوتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو فوت ہو جاتا ہے لوگ اُس پر اعتراض بہت کم کیا کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں اس نے دنیا میں جو کام کرنا تھا کر لیا۔ پس دنیا میں حاضر شخص پر الزام زیادہ قائم ہوُا کرتے ہیں اور وفات یافتہ لوگوں کی تعریف زیادہ کی جاتی ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں ایک حصہٗ جماعت کو منافقوں کے اثر کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کرنے کی عادت ہوگئی ہے اِس لئے جب میری طرف سے قربانیوں کا مطالبہ ہوتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اپنی طرف سے بات بنا رہے ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لٹریچر موجود ہے، اسے پڑھو۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ میرے بعد ابتلاء پر ابتلاء آئیں گے اور اس حد تک آئیں گے کہ جماعت کا کمزور حصہ الگ ہو جائے گا مگر وہ جو آخر دم تک ثابت قدم رہیں گے خدا تعالیٰ انہی کے ذریعہ قدرتِ ثانیہ کے بعض مظاہر کی ماتحتی میں احمدیت کو فتح دے گا۔ اب یا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سازش میں میرے ساتھ شریک ہیں۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا دعویٰ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ موسیٰؑ نے میرے متعلق یہ یہ پیشگوئیاں کی ہیں تو مکہ کے نادانوں نے سمجھا کہ موسیٰؑ کوئی زمانۂ حال کا آدمی ہے جس سے مشورہ کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے متعلق پیشگوئیاں کرالی ہیں اور اُنہیں لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کیا تُو مدین میں موجود تھا یا طُور پر موجود تھا کہ موسیٰ سے تُو نے یہ باتیں کہلا لیں؟[1] اسی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ اگر جو کچھ میں نے کہا وہ غلط ہے تو کیا میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کہا تھا کہ آپ اپنی کتابوں میں یہ یہ باتیں لکھ جائیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر خدا تعالیٰ سے خبر پا کر جماعت کو اطلاع دی تھی کہ

ابتلاء آتے چلے جائیں گے، آتے چلے جائیں گے اور آتے چلے جائیں گے اور جماعت کے کمزور لوگ گرتے چلے جائیں گے، گرتے چلے جائیں گے اور گرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ صرف صادقُ الْاِیمان لوگ باقی رہ جائیں گے اور انہی کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ احمدیت کو فتح دے گا۔

اب سوال صرف یہ ہے کہ صادقُ الْاِیمان کون ہو۔ اور میں سمجھتا ہوں ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے دل میں فیصلہ کرے کہ آیا وہ صادقُ الْاِیمان لوگوں میں شامل ہونا چاہتا ہے یا گرنے والوں میں۔ اگر ایک شخص یہی فیصلہ کرتا ہے کہ میں گرنے والے لوگوں میں شامل ہوں تو میں اُسے کہوں گا کہ تُو نے اب تک اس قدر قربانیاں کیوں کیں۔ تجھے تو چاہیئے تھا کہ آج سے ایک عرصہ پہلے الگ ہو جاتا کیونکہ میں آج جماعت سے قربانیوں کا مطالبہ نہیں کر رہا بلکہ ابتداء سے کرتا چلا آیا ہوں۔ اور اگر ہم میں سے ہر شخص یہ فیصلہ کرتا ہے کہ گرنے والا دوسرا ہو، میں گرنے والا نہ بنوں تو اوّل تو کوشش ہماری یہی ہونی چاہیئے کہ دوسروں کو بھی بچائیں اور کسی کو گرنے نہ دیں۔ لیکن چونکہ خدائی فیصلہ یہی ہے کہ کچھ لوگ گریں گے اِس لئے زید یا بکر کے گرنے کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی پیشگوئیاں پوری ہو کر رہیں گی۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں مگر اس کے وعدے نہیں ٹل سکتے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کے بہت سے نشانات کو پورا ہوتے دیکھا۔ نشان پر نشان اور معجزہ پر معجزہ ہمارے لئے ظاہر ہوا۔ ایسے ایسے حالات آئے جبکہ دُنیوی نقطۂ نگاہ سے یہی سمجھا جاتا تھا کہ سلسلہ تباہ ہو جائے گا مگر معاً خدا تعالیٰ نے رنگ بدل دیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ مصیبت اُڑ گئی اور سلسلہ کا وقار پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا اور منافق یہ کہنے لگ گئے کہ مصیبت تو کوئی تھی ہی نہیں، یہ محض بہانہ بنایا گیا تھا، یہی منافقوں کا طریق ہے۔ جب الٰہی سلسلوں پر کوئی مصیبت آتی ہے منافق کہتا ہے اب یہ تباہ ہو جائیں گے مگر جب ٹل جاتی ہے تو کہتا ہے مصیبت تو کوئی تھی ہی نہیں، یہ محض فریب کیا گیا تھا۔ گویا جب کوئی مصیبت موجود ہو تو وہ اُسے اِتنا بڑھاتا ہے، اتنا بڑھاتا ہے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں رہتی۔ اور جب ٹل جاتی ہے تو شروع میں تو وہ یہی کہتا ہے کہ ٹلی نہیں مگر جب بالکل ٹل جاتی ہے تو کہتا ہے مصیبت کوئی تھی ہی نہیں یونہی ڈرانے کیلئے ایک بات بنائی گئی تھی۔

چنانچہ دیکھ لو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں صورتیں بیان کی ہیں۔ فرماتا ہے احزاب کے موقع پر جب کفار کا لشکر مسلمانوں کے خلاف جمع ہو گیا تو منافقوں نے کہا اے اہل یثرب! لَا مُقَامَ لَكُمْ [۲] اب تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تم ان کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہو۔ گویا انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلمان اب مارے جائیں گے اور ہم تو پہلے ہی یہ کہتے تھے کہ خواہ مخواہ دوسروں سے بحثیں کرتے پھرنا فضول بات ہے۔ ہم کوئی دوسروں کی ہدایت کے ٹھیکہ دار تھوڑے ہیں مگر مسلمانوں نے ہماری بات نہ مانی اور نتیجہ یہ ہوا کہ سارے لوگ مل کر حملہ آور ہو گئے۔ اب انہیں پتہ لگے گا کہ اسلام کی تبلیغ کس طرح کیا کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے جب احزاب کو شکست دی تو منافق کہنے لگے شکست کوئی نہیں ہوئی۔ وہ تو صرف تھوڑی دیر کیلئے پیچھے ہٹے ہیں تا کہ دوبارہ جمعیت کو مضبوط کر کے حملہ کریں۔ تیسری کیفیت منافقوں کے قلوب کی ایک اور جنگ کے موقع کے ذکر میں بیان فرماتا ہے۔ فرماتا ہے منافق کہتے ہیں لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ [۳] اگر ہم جانتے کہ لڑائی ہو گی تو ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوتے۔ مگر ہمارا تو یہ خیال تھا کہ لڑائی کوئی ہے ہی نہیں، صرف خیالی خطرہ ہے (اِس آیت کے اَور معنے بھی ہیں۔ میں ان کی تردید نہیں کرتا۔ قرآن کریم ذومعانی ہے)۔ اِسی حالت کا نقشہ سورۂ بقرہ میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ [۴] یعنی جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ کفار سے ساز باز رکھ کر فساد پیدا نہ کرو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں۔ یعنی آپس کا اختلاف نہیں کوئی بڑا اختلاف نہیں صلح ناممکن نہیں ہے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ آپس میں صلح ہو جائے اور فساد دُور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم غلط کہتے ہو۔ دنیا کا جھگڑا نہیں کہ صلح ہو جائے، یہ تو دینی اختلاف ہے جس میں سَودا نہیں ہو سکتا۔ پس اس ساز باز سے وہ فساد پیدا کر رہے ہیں مگر ایمان نہیں، اس لئے محسوس نہیں کرتے۔ پھر فرماتا ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح باقی لوگ ایمان لا رہے ہیں تم بھی ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ یہ تو بیوقوف ہیں۔

خواہ مخواہ لڑائی کر کے فساد کر رہے ہیں، ہم بیوقوف کیوں بنیں۔ ہم جانتے ہیں کہ لڑائی کا موقع نہیں ہے، صلح ممکن ہے۔ فرماتا ہے افسوس کہ یہ لوگ جانتے نہیں ورنہ خود ان کا یہ قول بیوقوفی کا ہے۔ تو یہ تینوں قسم کی حالتیں منافقوں کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں اور منافق ہمیشہ ایسے وسوسے پیدا کرتا رہتا ہے جن کے نتیجہ میں قوم کا قدم قربانیوں کے میدان میں سُست ہو جائے لیکن مومن کا قدم ہمیشہ آگے کی طرف اُٹھتا ہے اور وہ ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے وعدہ کو اور اُس عہد کو جو اس نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے پورا کرے۔ اِس دوران خواہ اسے مشکلات پیش آئیں یا راحت میسر ہو، دونوں اس کیلئے برابر ہوتی ہیں کیونکہ اس کی اصل خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرا خدا مجھ سے راضی ہو جائے۔ اگر راحت آئے تو اس کی وجہ سے قربانیوں میں سُست نہیں ہو جاتا اور اگر تکلیف آئے تو گھبراتا نہیں بلکہ اپنے ایمان میں بڑھ جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴿۱۷۴﴾ [5] یعنی مؤمن وہ ہیں کہ جب ان سے لوگ کہتے ہیں کہ سب قومیں تمہارے خلاف جمع ہوگئی ہیں اس لئے تم اب لوگوں سے ڈر کر نرم پڑ جاؤ۔ تو بجائے اس کے کہ وہ ڈریں یہ بات ان کو ایمان میں اَور بھی بڑھا دیتی ہے اور وہ کہتے ہیں اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ سب سے بہتر کارساز ہے۔

غرض مصیبت آئے تو تب بھی مؤمن اپنے ایمان میں بڑھ جاتا ہے اور اگر راحت ملے تب بھی وہ غافل نہیں ہوتا کیونکہ ہر بات میں اسے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جب تک کسی شخص کے اندر یہ ایمان پیدا نہ ہو، جب تک سچے طور پر وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کا کام جہاں ایک طرف اپنے نفس کی اصلاح کرنا ہے وہاں دوسری طرف تمام دنیا سے روحانی جنگ کرنا ہے اس وقت تک وہ خطرہ کی حالت میں ہوتا ہے اور اِس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اس مقام کو کھو بیٹھے جو اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے۔ گویا اس کی وہی مثال ہو جائے جو کسی شاعر نے اس طرح بیان کی ہے کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ایسے شخص کو نہ تو دنیا حاصل ہوتی ہے اور نہ دین حاصل ہوتا ہے۔ دنیا کو وہ ناراض کر لیتا ہے اِس ظاہری دین کی وجہ سے جو اس کے پاس ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کو ناراض کر لیتا ہے، اس باطنی گندگی کی وجہ سے جو اُس کے دل میں پائی جاتی ہے حالانکہ سنجیدگی اور ظاہر و باطن کی یکسانیت دنیا میں سب نیکیوں کی جڑ ہے۔ اگر کوئی کافر سنجیدہ نہیں تو وہ اس کافر سے بُرا ہے جو سنجیدہ ہے اور اگر کوئی مؤمن سنجیدہ نہیں تو نہ صرف وہ اس مؤمن سے بُرا ہے جو سنجیدہ ہے بلکہ سنجیدہ کافر سے بھی بُرا ہے۔ ایک شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا سمجھتا ہے وہ باوجود سچے طور پر آپ کو جھوٹا سمجھنے کے بُرا ہے۔ مگر بہرحال وہ اُس کافر سے اچھا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا بھی سمجھتا ہے اور مخفی طور پر مسلمانوں سے سمجھوتہ بھی کرنا چاہتا ہے۔ بظاہر وہ نرم مزاج نظر آتا ہے لیکن اصل میں وہ نرم نہیں۔ اسی طرح وہ مؤمن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی سمجھتا ہے اور ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار رہتا ہے، وہ تو اعلیٰ درجہ کا انسان ہے لیکن وہ شخص جو مؤمن کہلاتا ہے مگر دشمنوں سے سازباز بھی رکھتا ہے یا وعدہ کرتا اور پھر پورا نہیں کرتا یا کسی اَور رنگ میں اپنے ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کرتا ہے، وہ اُس کافر سے بدتر ہے جو سنجیدگی سے اپنے کفر پر قائم ہے۔ کیونکہ گو اسے غلطی لگی مگر وہ اپنے نقطۂ نگاہ سے سچائی پر تو قائم ہے۔ (سچائی سے مراد میری اس جگہ حقیقی سچائی نہیں بلکہ وہ سچائی مراد ہے جس کو وہ سچا سمجھتا ہے) وہ تو خدا تعالیٰ سے قیامت کے دن کہہ سکتا ہے کہ خدایا! مجھے دھوکا لگا میں سمجھتا رہا کہ میں سچے راستہ پر قائم ہوں حالانکہ یہ بات درست نہ تھی۔ مگر منافق کیا کہے گا۔ کیا وہ یہ کہے گا کہ میں نے تو سمجھا تھا کہ فلاں شخص خدا کا رسول ہے مگر میں نے اس کے احکام کی اطاعت نہ کی۔ یا وہ کافر کیا کہے گا جس نے کُفر کے باوجود اندرونی طور پر مسلمانوں سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے سچے دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا سمجھا تھا خدا کہے گا اگر تُو سچے دل سے جھوٹا سمجھتا تھا تو اندرونی طور پر مسلمانوں سے سازباز کیوں کرتا رہا؟

تو دنیا میں ساری نیکیوں کی جڑ سچائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے ایک بات پر قائم ہوں چاہے وہ غلط راستے پر ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ بِالآخر انہیں ضرور ہدایت دے دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[6] وہ لوگ

جو ہماری تلاش کرتے ہیں اور سچے دل سے ہماری جستجو میں لگ جاتے ہیں، ہم اپنی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم انہیں ضرور سیدھا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اس میں کسی مذہب کی شرط نہیں،۔ چاہے کوئی ہندو ہو یا عیسائی ہو یا سکھ ہو۔ اگر کسی شخص کے دل میں سچے طور پر یہ تڑپ پائی جاتی ہے کہ اسے خدا مل جائے تو اسے خدا ضرور مل جاتا ہے اور عجیب عجیب رنگ میں وہ اس کی ہدایت کے سامان کر دیتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے ہر سال کبھی کم اور کبھی زیادہ لیکن بہر حال اوسطاً آٹھ دس ایسے غیر احمدیوں کی چٹھیاں مجھے آجاتی ہیں جو لکھتے ہیں کہ ہم پہلے احمدیت کے شدید مخالف تھے مگر اللہ تعالیٰ نے رؤیا کے ذریعہ ہمیں بتایا کہ احمدیت سچی ہے اس لئے ہم توبہ کرتے ہوئے احمدیت میں داخل ہوتے ہیں۔ ابھی چند دن کی بات ہے ایک شخص کی چٹھی مجھے آئی، وہ لکھتے ہیں کہ میں سلسلہ کا شدید مخالف تھا اور گندی سے گندی گالیاں احمدیوں کو دیا کرتا تھا مگر اب مجھے رؤیا میں بتایا گیا ہے کہ میں غلطی پر ہوں اس لئے میں سخت ڈرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ سلسلہ کے مزید حالات معلوم کروں۔

تو جو شخص سچے طور پر مخالفت بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی ہدایت کے سامان پیدا کر دیتا ہے مگر شرط یہی ہے کہ سنجیدگی پائی جائے اور تمام کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کئے جائیں۔ اگر کوئی سنجیدگی سے اللہ تعالیٰ کو پکارے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ظلمت میں رہے۔ خدا ایک نور ہے اور جب وہ مل جاتا ہے تو ظلمت کہیں نہیں رہتی۔

پس ہماری جماعت کو اپنے اندر سنجیدگی پیدا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کھول کھول کر بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ قوم جو یہ سمجھتی ہے کہ ہدایت اور نجات ہمارے ساتھ ہی وابستہ ہے، اس کی سچائی کی ایک ہی علامت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ **فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝** [۲] وہ اگر اپنے دعویٰ میں سچی ہوتی ہیں تو اپنے اوپر موت وارد کر لیتی ہیں۔ جب دنیا میں ایسے نبی آتے ہیں جن کے ہاتھوں میں تلوار ہوتی ہے تو اس زمانہ میں موت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اُٹھو اور اپنی جانیں لڑائیوں میں قربان کر دو۔ مگر جب ایسے نبی آئیں جو تبلیغ کے ذریعہ اپنا مذہب پھیلاتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو اُس وقت موت سے مراد مختلف قسم کی قربانیاں ہوتی ہیں۔ جیسے مالی قربانیاں ہیں یا وقتی قربانیاں

ہیں یا اوقات کی قربانیاں ہیں یا عزت و وجاہت کی قربانیاں ہیں۔ یا مثلاً یہ قربانی ہے کہ گالیاں سُنو اور خاموش رہو، ماریں کھاؤ اور ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔ آخر گالیاں سُننا بھی موت سے کوئی کم قربانی نہیں۔ جن کے دلوں میں سچی محبت ہوتی ہے وہی جانتے ہیں کہ جب ان کے محبوب کو کوئی گالی دیتا ہے تو اُن کو کس قدر اذیت پہنچتی اور ان کیلئے یہ بات کتنے بڑے دکھ اور درد کا موجب ہوتی ہے۔ پس صرف دوسرے سے لڑ کر اپنی جان دے دینا موت نہیں بلکہ گالیاں سُن کر اپنے نفس کو قابو میں رکھنا بھی ایک موت ہے اور یہ پہلی موت سے ہرگز کم نہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں عشق ہوتا ہے وہی جانتے ہیں کہ ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اُس وقت وہ اپنی جان دے دینے کو صبر کرنے کی نسبت بدرجہا آسان سمجھتے ہیں مگر بہر حال انہیں صبر کرنا ہی پڑتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہوتا ہے کہ صبر کرو۔

مَیں نے مولوی رحمت علی صاحب مبلغ جاوا کا واقعہ کئی دفعہ سنایا ہے۔ ایک دفعہ فساد کرانے کی غرض سے کسی نے یہاں یہ خبر مشہور کر دی کہ نیّر صاحب مارے گئے ہیں اور پیر یوسف جو بھٹے والے ہیں ان کا اور ایک دو اَور احمدیوں کا نام لیا کہ وہ زخمی تڑپ رہے ہیں۔ نیّر صاحب اُن دنوں غالباً بورڈنگ میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ لڑکوں نے جونہی اِس خبر کو سُنا وہ سٹکیں لے کر اس طرف کو اُٹھ دوڑے۔ میں اُس وقت اتفاقاً (حضرت اماں جان) کے دالان میں ٹہل رہا تھا۔ دَوڑنے کی آواز جو آئی تو میں یہ دیکھنے کیلئے کہ کیا ہؤا گلی کی طرف گیا اور دیکھا کہ لڑکے بے تحاشا دَوڑے چلے جا رہے ہیں اور ان کے آگے آگے مولوی رحمت علی صاحب ہیں۔ میں نے مولوی صاحب کو آواز دی کہ ٹھہرو مگر مولوی صاحب نہ رُکے۔ اِس پر میں نے پھر آواز دی تو وہ ٹھہر گئے۔ میں نے کہا کیا ہؤا؟ وہ کہنے لگے حضور خبر آئی ہے کہ نیّر صاحب کو ہندوؤں نے مار دیا ہے اور بعض اور احمدی زخمی تڑپ رہے ہیں۔ میں نے کہا جب یہ خبر تمہارے پاس پہنچی تھی تو تمہارا فرض تھا کہ مجھ تک بات پہنچاتے۔ یہ تمہارا کام نہیں تھا کہ اُس طرف اُٹھ بھاگتے۔ میں اِس واقعہ کی تحقیقات کراؤں گا تم آگے مت جاؤ۔ اتفاقاً اُسی وقت قاضی عبداللہ صاحب اس طرف سے گزر رہے تھے۔ میں نے انہیں بھیجا کہ جا کر پتہ لگائیں اور اُنہیں اطمینان دلا کر میں پھر کمرہ میں ٹہلنے لگا۔ تو اتنے میں پھر مجھے شور کی آواز آئی اور میں نے دیکھا کہ مولوی رحمت علی صاحب

اور دوسرے لڑکے بے اختیار پھر دَوڑے چلے جارہے ہیں۔ میں نے آواز دی کہ مولوی صاحب ٹھہرو مگر اُنہوں نے میری آواز کو نہیں سنا۔ میں نے پھر کہا کہ ٹھہرو مگر وہ پھر بھی نہیں رُکے یہاں تک کہ وہ اُس موڑ سے کئی گز آگے نکل گئے جو میاں بشیر احمد صاحب کے مکان کے جنوبی کونے پر مسجد اقصیٰ کی طرف مُڑتا ہے۔ میں نے اُس وقت سمجھا کہ اب اگر ایک لحظہ بھی اور دیر ہوئی اور یہ موڑ سے دوسری طرف ہوگئے تو پھر میرا ان پر کوئی اختیار نہیں رہے گا اور انہوں نے جاتے ہی جو ہندو سامنے آیا اُس سے لڑنا شروع کر دینا ہے۔ پس اُس وقت مجھے ایک ہی علاج نظر آیا اور میں نے مولوی صاحب کو آواز دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ ایک قدم بھی آگے بڑھے تو میں آپ کو جماعت سے خارج کر دوں گا۔ ایک مخلص احمدی کیلئے یہ الفاظ ایسے نہ تھے کہ ان کے بعد بھی وہ آگے بڑھ سکتا۔ میں نے دیکھا کہ مولوی صاحب رُک تو گئے مگر وہ تھر تھر کانپ رہے تھے، اُن کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور وہ کہہ رہے تھے حضور احمدی مارے گئے ہیں۔ میں نے کہا اس کے تم ذمہ دار نہیں، میں ذمہ دار ہوں۔ میں یقیناً سمجھتا ہوں کہ اگر میں مولوی رحمت علی صاحب کو اُس وقت یہ کہتا کہ جائیں اور گردن کٹوا دیں تو وہ انشراحِ دل سے اس بات کیلئے تیار ہو جاتے لیکن میرا یہ حکم کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہیں اور آگے مت بڑھیں، ان کیلئے موت سے بہت زیادہ سخت تھا لیکن جمالی زمانہ میں اِسی قسم کی قربانیاں کرنی ضروری ہوتی ہیں اور بغیر ان قربانیوں کے خدا تعالیٰ کو خوش بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کوئی قربانی نہیں کہ خدا تعالیٰ کہتا ہو کہ پیسہ دو اور ہم کہیں سر لے لو اور خدا کہے سر دو اور ہم کہیں پیسہ لے لو۔ اُس وقت اگر ہم اپنی ساری دولت بھی خدا تعالیٰ کے راستہ میں لٹا دیں گے تو وہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ خدا تعالیٰ جان کا مطالبہ کر رہا ہوگا نہ کہ مال کا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں خدا تعالیٰ نے یہی کہا کہ تلواریں پکڑو اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دے دو۔ چنانچہ وہ گئے اور قربان ہوگئے مگر یہ قربانی بھی ایک عرصہ کے بعد اُن سے مانگی گئی۔ پہلے انہیں بھی یہی کہا گیا تھا کہ صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ہاتھ مت اُٹھاؤ مگر دیکھو صبر کا امتحان کتنا شدید ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی میں ایک موقع بھی ایسا نظر نہیں آتا جبکہ صحابہؓ نے دشمنوں سے لڑائی کرنے سے انکار کر دیا ہو مگر صبر کے مواقع میں سے ایک موقع ایسا

ضرور نظر آتا ہے جبکہ وہ اپنے جذبات کو نہ دبا سکے۔

جنگ بدر کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر مسلمانوں کو یہ بتانے کے کہ کوئی جنگ ہوگی، انہیں ساتھ لے کر مدینہ سے چل پڑے۔ بدر کے مقام کے قریب پہنچ کر آپ نے بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ ہم میں اور کفار میں ایک جنگ ہوگی۔ پس بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اس پر مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! رائے کیا ہوتی ہے۔ چلئے اور دشمن کا مقابلہ کیجئے ہم ہر وقت لڑنے کیلئے تیار ہیں مگر جب مہاجر خاموش ہو جاتے تو آپ پھر فرماتے اے لوگو مشورہ دو۔ اس پر پھر کوئی مہاجر کھڑا ہوتا اور وہ کہتا حضور ہم لڑنے کیلئے تیار ہیں۔ مگر جب وہ خاموش ہو جاتا تو آپ پھر فرماتے اے لوگو! مشورہ دو۔ آخر انصار سمجھ گئے کہ مشورہ دو سے مراد یہ ہے کہ ہم بولیں اور اپنی رائے پیش کریں۔ دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو انصار نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر آپ کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں، ہاں مدینہ کے اندر آپ کے ذمہ دار ہیں۔ پس چونکہ اس معاہدہ کے بعد انصار پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تھی اور وہ مدینہ سے باہر آپ کی مدد کرنے میں آزاد تھے اس لئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ اے لوگو! مشورہ دو تو ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا آپ ہم سے پوچھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر اس نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! آپ کی مراد شاید اس معاہدہ سے ہے جو ہم نے اُس وقت کیا تھا جب آپ مدینہ تشریف لائے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! وہ معاہدہ اُس وقت کا تھا جب ہمیں آپ کی رسالت کا مقام معلوم نہیں تھا، ہم نے اس وقت نادانی سے یہ معاہدہ کیا، مگر یَا رَسُوْلَ اللہ! اب تو ہم آپ کے مقام کو خوب پہچان چکے ہیں اور اب سوال یہ نہیں کہ ہم نے کیا معاہدہ کیا بلکہ سوال یہ ہے کہ حضور کیا حکم دیتے ہیں۔ یَا رَسُوْلَ اللہ! چلئے جدھر چلتے ہیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ ہماری لاشوں کو رَوندتا ہؤا نہ گزرے۔ پھر اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! سامنے سمندر ہے اگر اس میں گھوڑے ڈالنے کا حکم دیں تو ہم اس کیلئے بھی تیار ہیں۔[8] یعنی کفار

سے لڑائی کے وقت تو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شاید ہم فتح پا جائیں اور زندہ واپس آ جائیں مگر ہم تو ایسی قربانی کرنے کیلئے بھی تیار ہیں جس میں موت ہی موت دکھائی دیتی ہے۔

ایک اَور صحابی کہتے ہیں میں سولہ لڑائیوں میں شامل ہوُا۔ گیارہ بارہ لڑائیوں میں خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوُا مگر باوجود اِس کے کہ میں اتنا بڑا ثواب حاصل کر چکا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ کاش! میرے منہ سے صرف وہ فقرہ نکلتا جو اس صحابی کے منہ سے نکلا اور لڑائیوں میں مَیں بے شک شامل نہ ہوتا کیونکہ اس ایک فقرے کا ثواب سولہ لڑائیوں کے ثواب سے میرے نزدیک زیادہ ہے۔[9]

اب دیکھو یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اپنی جانیں قربان کیں اور اس قربانی کے پیش کرتے وقت انہوں نے ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی مگر اس کے مقابلہ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کیلئے گئے اور کفار نے روک لیا اور آپس میں بعض شرائط ہوئیں تو ان صلح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی شخص مکہ سے بھاگ کر اور مسلمان ہوکر مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر مکہ والوں کے پاس جائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ ایک مسلمان مکہ سے بھاگ کر آپ کے پاس آیا اُس کا جسم بوجہ ان مظالم کے جو اس کے رشتہ دار اسلام لانے کی وجہ سے اس پر کرتے تھے زخموں سے چُور تھا اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور پاؤں میں بیڑیاں، اُسے دیکھ کر اسلامی لشکر میں ہمدردی کا ایک زبردست جذبہ پیدا ہوگیا۔ دوسری طرف کفار نے مطالبہ کیا کہ اِسے واپس کیا جائے۔ یہ دیکھ کر مسلمان اس بات کیلئے کھڑے ہوگئے کہ خواہ کچھ ہو جائے ہم اِسے جانے نہیں دیں گے اور اپنے ہاتھوں اسے موت کے منہ میں نہیں دھکیلیں گے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب معاہدہ ہو چکا ہے اور اسے واپس کیا جائے گا، خدا کے رسول جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ چنانچہ آپ نے اسے واپس کئے جانے کا حکم دیا[10] اور مسلمانوں کے جذبات کو قربان کر دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر مسلمانوں کو اتنی کوفت ہوئی کہ وہ مجنون سے ہوگئے۔ چنانچہ جب معاہدہ ہو چکا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا قربانیاں کردو مگر اُس وقت ایک صحابی بھی

قربانی کرنے کیلئے نہیں اُٹھا۔ حالانکہ ان میں ابوبکرؓ بھی موجود تھے، ان میں عمرؓ بھی موجود تھے، ان میں عثمانؓ بھی موجود تھے، ان میں علیؓ بھی موجود تھے۔ غرض وہ سب صحابہ ان میں موجود تھے جن میں سے مسلمانوں کا کوئی فرقہ کسی کو اور کوئی کسی کو بڑا قرار دیتا ہے مگر ان میں سے ایک بھی تو کھڑا نہیں ہؤا اور سب خاموش بیٹھے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ آپ نے حکم دیا مگر صحابہ نے نافرمانی کی وجہ سے نہیں بلکہ وفورِ جذبات سے مجبور ہو کر اس کی تھوڑی دیر کیلئے تعمیل نہ کی۔ چونکہ یہ خفیف سی دیر بھی پہلی مثال تھی آپؐ اپنے خیمہ میں گئے اور اپنی ایک بیوی سے جو ساتھ تھیں فرمایا میں نے آج ایک ایسی بات دیکھی ہے جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انہوں نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا ہؤا؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے صحابہؓ میں کبھی اطاعت کے لحاظ سے کمی نہیں دیکھی مگر آج میں نے انہیں حکم دیا کہ قربانیاں کر دو تو ان میں سے ایک بھی نہیں اٹھا۔ اُمّ المُؤمنین فرمانے لگیں یَا رَسُوْلَ اللہ! آپ جانتے ہیں انہیں کیسا صدمہ ہؤا ہے۔ وہ اس صدمہ سے پاگل ہو رہے ہیں آپ کسی سے بات نہ کریں اور خاموشی سے اپنی قربانی کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ نہایت ہی نیک مشورہ سنا تو آپ نے اسے پسند کیا اور خاموشی سے اپنی قربانی کے پاس گئے اور اُسے ذبح کر دیا۔ اخلاص آخر اخلاص ہی ہوتا ہے۔ بے شک صبر کی آزمائش بڑی تلخ تھی اور ایک لمحہ کیلئے صحابہؓ میں ہچکچاہٹ پیدا ہوئی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ وہ شخص جس کے اشارہ پر وہ اپنی جانیں قربان کرتے رہے ہیں، جس کی تعلیم کے ماتحت انہوں نے نہ صرف اپنی زندگیوں کو بلکہ اپنے باپوں، اپنی ماؤں، اپنے بھائیوں اور اپنے بچوں کو قربان کر دیا تھا، آج وہ اِس خاموشی سے بغیر اِس کے کہ ہم میں سے کسی کو اپنی مدد کیلئے بُلائے، قربانی کرنے جا رہا ہے تو یک دم اُن کے دل پگھل گئے اور بے اختیار دَوڑ دَوڑ کر انہوں نے اپنے جانور ذبح کرنے شروع کر دیئے۔[۱۱]

اب دیکھ لو لڑائیوں کے موقع پر تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور پھر اپنے عمل سے اس قول کو سچا ثابت کر دکھایا مگر صبر کے مواقع میں سے ایک موقع ایسا آیا کہ ان کیلئے صبر کرنا مشکل ہو گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تعمیل کو انہوں نے ایک منٹ کیلئے پیچھے ڈال دیا۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی کیونکہ انہوں نے اپنی قربانیوں سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اطاعت میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ یہ صرف جذبہ اور جنون کی کیفیت تھی اور ایسی صورت تھی جیسے پیارا پیارے سے شاکی ہوتا ہے لیکن پھر بھی صحابہ کی اطاعت کے لحاظ سے یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ تو دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جان دینے کے موقع پر کبھی صحابہؓ نے ہچکچاہٹ ظاہر نہیں کی مگر صبر کے مواقع میں سے ایک موقع پر وہ بھی ایک منٹ کیلئے جذبات کی رَو میں بہہ گئے۔ تو صبر کوئی معمولی قربانی نہیں۔

ہماری جماعت میں کئی نادان ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہماری قربانیاں ویسی نہیں جیسی کہ صحابہؓ نے کیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ اگر ہم دیانتداری اور خلوص سے قربانیاں کریں تو ہماری قربانیاں ان سے کسی صورت میں کم نہیں ہوں گی۔ ہم نے بہت لوگ دیکھے ہیں جب کوئی خاص اعلان کیا جاتا ہے تو وہ بعض دفعہ اپنی ساری جائیداد بیچ کر دین کے راستہ میں دے دیتے ہیں مگر پھر وہی لوگ آنہ فی روپیہ چندہ دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں اس لئے کہ متواتر لمبی قربانی انسان پر گراں گزرتی ہے مگر یکدم قربانی کر لینا آسان ہوتا ہے۔ پس یاد رکھو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ کا چیلنج خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی طرف سے یہود کو دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ نجات تمہارے لئے ہی مخصوص ہے اگر درست ہے اور تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو جس طرح مسلمان ہر وقت موت کیلئے تیار رہتے ہیں اسی طرح تم بھی موت قبول کر کے دکھاؤ۔ یہ چیلنج آج بھی قائم ہے اور آج بھی خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعتیں اسی معیار کی رو سے اپنی صداقت دنیا کے سامنے پیش کر سکتی ہیں۔ آج ہماری جماعت کیلئے بھی جانی قربانیوں کا زمانہ نہیں بلکہ مسلسل اور متواتر لمبی قربانیوں اور لمبی آزمائش کا زمانہ ہے جس میں دوسروں سے لڑنا نہیں پڑتا بلکہ دوسروں سے مار کھانی پڑتی ہے جس میں غنیمتیں نہیں ملتیں بلکہ اپنے اموال کی قربانی کرنی پڑتی ہے، جس میں انسان سے یکدم جائداد یا زمین چھوڑ دینے کا مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مثلاً اپنی زمین کے کام میں سے ہر روز ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے خدمتِ دین کیلئے وقف کرو۔ یہ قربانی بھی کوئی کم قربانی نہیں مگر میں نے دیکھا ہے بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں صحابہؓ نے اپنی زمینیں اور جائدادیں خدا تعالیٰ کیلئے چھوڑ دیں احمدیوں نے اس کے

مقابلہ میں کیا کِیا؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یکدم زمین کا چھوڑ دینا آسان ہوتا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ہر روز اپنے کام کے اوقات میں سے ایک گھنٹہ وقف کرو تو اِس پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ چیز کا اپنے پاس ہونا اور پھر آہستہ آہستہ اسے قربان کرتے جانا بڑا مشکل ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ چیز پاس ہی نہ رہے۔ ہزاروں واقعات دنیا میں ایسے ہوتے ہیں کہ کوئی کسی کا بچہ اُٹھا کر لے جاتا ہے، ایسی صورت میں ہزاروں کے متعلق سننے میں آتا ہے اور پانچ دس واقعات تو میرے سامنے بھی آئے اور میں نے خود ان بچوں کے والدین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر ہمارا بچہ مر جاتا تو ہمیں اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس کے گُم ہو جانے کا ہوا ہے۔ اب دیکھو گُم ہو جانے کے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ والدین سے الگ ہو گیا اور مر جانے کے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ جُدا ہو گیا مگر بچہ جو مر جاتا ہے اس کے متعلق انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ گو وہ جُدا ہو گیا مگر اب دنیا کی تکالیف میں سے کسی تکلیف میں مبتلا نہیں مگر جو بچہ گُم ہو جاتا ہے اس کے متعلق والدین کو ہر روز قربانی کرنی پڑتی ہے اور ہر روز انہیں یہ خیال آتا ہے کہ نہ معلوم ہمارے بچے کا کیا حال ہے۔ کبھی خیال آتا ہے ممکن ہے وہ آج فاقے کر رہا ہو، ممکن ہے وہ آج زمین پر سویا پڑا ہو، ممکن ہے وہ بیمار ہو اور کوئی اُس کو پوچھنے والا نہ ہو۔ پھر کبھی یہ خیال آتا ہے کہ شاید کوئی اسے گالیاں دے رہا ہو، شاید آج کوئی اسے مار رہا ہو غرض ہزاروں وسوسے ماں باپ کے دل میں اٹھتے ہیں اور ہر روز انہیں اپنے جذبات کی قربانی کرنی پڑتی ہے حالانکہ وہ اتنا صدمہ نہیں ہوتا جتنا اپنے بچے کی موت کا صدمہ ہوتا ہے مگر لوگ اِس بات کو پسند کر لیں گے کہ ان کی ساری اولاد یکدم مَر جائے بہ نسبت اس کے کہ وہ گُم ہو جائے حالانکہ یہ صدمہ تھوڑا ہے اور وہ بڑا۔ تو دائمی قربانی ہی اصل قربانی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج تک کبھی کسی نبی کو اس طرح کھڑا نہیں کیا کہ اُسے پہلے ہی دن لڑائی کا حکم دے دیا ہو بلکہ جلالی انبیاء کی زندگیوں کا ابتدائی حصہ اسی قسم کی قربانیوں میں سے گزرتا ہے جس قسم کی قربانیوں میں سے جمالی انبیاء گزرتے ہیں اور یہ جلالی اور جمالی انبیاء میں فرق ہے۔ یعنی جمالی نبی شروع سے آخر تک جمالی رہتے ہیں مگر جلالی نبی شروع میں جمالی ہوتے ہیں بعد میں جلالی بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیشک جلالی نبی تھے مگر کچھ مدت آپ بھی مصر میں تکلیفیں اُٹھاتے رہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

جب تک مکہ معظّمہ میں رہے ویسی ہی تکلیفیں برداشت کرتے رہے جیسی ہمیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ پھر جب مدینہ میں گئے تو وہاں جا کر چند سال بعد آپ کی جلالی زندگی کا دَور شرع ہوُا۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ جمالی رنگ کی مشکلات کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں جلالی نبی بھی کھڑا کیا ہے وہاں جمالی رنگ کی قربانیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہے کیونکہ ایمان کی آزمائش مسلسل اور لمبی قربانیوں سے ہوتی ہے۔ آخر سوچو کہ تیرہ سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ اس عرصہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو مکہ میں چلتے پھرتے گالیاں سُننی پڑتیں، لوگ مارتے، دُکھ دیتے، آوازے کستے، راستوں میں کانٹے بچھا دیتے، غلاظتیں پھینکتے، پتھروں پر گھسیٹتے، وطن سے بے وطن کرتے، غرض کونسی تکلیف تھی جو اُنہیں کفار نہ پہنچاتے۔ صحابہؓ کو بعض دفعہ غصہ بھی آتا اور وہ جوش کی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے خدا نے مجھے لڑائی کا اِذن نہیں دیا۔ یہ لمبی تکالیف ۱۳ سال تک مکہ معظّمہ میں آپ کو پہنچیں۔ پھر دو سال مدینہ کی زندگی کے بھی انہی تکلیفوں میں گزرے۔ گویا پندرہ سال تک جمالی رنگ کی تکالیف ان پر گزریں اور انہی تکالیف نے ان کے ایمانوں کو کامل کر دیا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بدر کے موقع پر صحابہ نے بڑی قربانیاں کیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اُحد کے موقع پر صحابہؓ نے بڑی قربانیاں کیں مگر میں کہتا ہوں اور صحیح کہتا ہوں کہ بدر کے موقع پر وہ قربانیاں نہیں کر سکتے تھے اگر مکہ کی ساری زندگی اور مدینہ کی کچھ زندگی ان قربانیوں میں سے نہ گزرتی جو جمالی رنگ کی قربانیاں تھیں۔ بے شک ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ بڑے پایہ کے انسان تھے، بے شک کبار صحابہ اور اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مہاجر اور اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ انصار بڑی قربانیاں کرنے والے تھے، لیکن انہیں بدر اور احد اور دوسری جنگوں نے اس مقام تک نہیں پہنچایا بلکہ انہیں مکہ اور مدینہ کی جمالی زندگی نے ان قربانیوں کی توفیق دی۔ اگر شروع میں ہی بدر اور احد کی جنگیں پیش آ جاتیں اور صحابہ کو جمالی رنگ کی مشکلات میں سے نہ گزرنا پڑتا تو ابوبکرؓ ابوبکرؓ نہ بنتے، عمرؓ عمرؓ نہ بنتے، عثمانؓ عثمانؓ نہ بنتے اور علیؓ علیؓ نہ بنتے۔ پس بدر نتیجہ تھا اُس جمالی زندگی کا جو مکّہ و مدینہ میں گزری۔ اسی طرح اُحد اور دوسرے غزوات نتیجہ تھے اُس جمالی زندگی کا جو مکہ و مدینہ میں صحابہ پر آئی اور انہی تکلیفوں

کے نتیجہ میں وہ بعد کی مشکلات میں بھی ثابت قدم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جلالی انبیاء کی زندگی کا ایک حصہ جمالی رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔ جلال آتا ہے بعض اَور حکمتوں کی وجہ سے اور جمال آتا ہے لوگوں کے ایمانوں کو مضبوط کرنے کیلئے۔ اور چونکہ ہر نبی کی بعثت کا اہم ترین مقصد لوگوں کے ایمانوں کو مضبوط کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے ہر نبی جمال کا رنگ اپنے اندر رکھتا ہے۔ تم ایک نبی بھی ایسا نہیں دکھا سکتے جس کو خدا تعالیٰ نے مقامِ نبوت پر کھڑا کرتے ہی حکم دے دیا ہو کہ جاؤ اور مخالفین سے جہاد کرو کیونکہ اگر اسی دن جہاد کا حکم دے دیا جاتا تو لوگوں کے ایمان مضبوط نہ ہوتے اور لمبی اور مسلسل تکالیف سے ان کے قلوب صیقل نہ ہوتے۔ مگر تم میں سے کتنے ہیں جو کہتے ہیں کہ کاش! ہم بدر یا اُحد یا احزاب کے موقع پر ہوتے اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے راستے میں قربان کر دیتے اور اس امر کو بھُول جاتے ہیں کہ اصل قربانیوں کا میدان ان کیلئے بھی کھُلا ہے اور آج بھی وہ اسی طرح قربانیاں کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتے ہیں جس طرح صحابہ نے قربانیاں کیں۔ مگر تم میں سے کتنے ہیں جو قربانی کی اس خواہش کے باوجود قربانیوں میں اِستقلال دکھاتے ہیں۔ تم میں سے کتنے ہیں جو وعدے کرتے اور پھر اُنہیں جلد پورا کرنے کا فکر کرتے ہیں، تم میں سے کتنے ہیں جو میرے کسی خطبہ یا تقریر وتحریر کے محتاج نہیں حالانکہ اصل مؤمن وہی ہیں جو اِس بات کے محتاج نہیں کہ میں انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاؤں بلکہ میرے کسی خطبہ یا تقریر یا یاددہانی کے بغیر وہ ہر وقت قربانیوں کیلئے تیار رہتے ہیں اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں سُستی یا غفلت سے کام نہیں لیتے۔ ہاں وہ جو میری یاددہانیوں کے محتاج ہیں وہ بھی مؤمن ہیں مگر اوّل درجہ کے نہیں بلکہ دوسرے درجہ کے۔ لیکن وہ جو غافل ہیں جو خدا تعالیٰ کے دین کی مدد سے کنارہ کشی کر رہے ہیں، جو مصائب کو دیکھتے اور ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور کہتے ہیں مصیبتوں کا زمانہ لمبا ہو گیا، ہم کب تک قربانیاں کرتے چلے جائیں، وہ وہ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مُہر کر دی۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس جماعت میں رہ سکیں اور یقیناً اگر وہ اپنے افعال سے توبہ نہیں کریں گے تو کسی وقت کوئی ایسی ٹھوکر کھائیں گے کہ ان کا رہا سہا ایمان بھی جاتا رہے گا اور خدا تعالیٰ کے فضلوں سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ وہ بظاہر اِس وقت مؤمن نظر آتے ہیں مگر ان کا ایمان اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے، وہ

حقیقتِ ایمان سے بے نصیب ہو چکے ہیں اور ایمان کی بشاشت ابھی انہیں حاصل نہیں ہوئی کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ اگر انسان آگ میں بھی ڈالا جائے تو پرواہ نہ کرے۔[۱۲] مگر وہ آگ تو کیا معمولی معمولی قربانیاں کرنے سے ہچکچاتے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں، پھر کہتے ہیں کہ ہم خدائی سلسلہ میں شامل ہیں۔

یاد رکھو خدائی سلسلے بندوں کی تعداد پر نہیں چلتے بلکہ ایمان اور اخلاص سے ترقی کرتے ہیں۔تم اگر لاکھوں بھی ہو جاؤ مگر تمہارے دل میں وہ ایمان نہ ہو جو غیر متزلزل ہو تو تم دنیا میں کوئی سچائی قائم نہیں کر سکتے۔لیکن اگر تم ایمان اور اخلاص پر قائم ہو جاؤ تو پھر خواہ تم تھوڑے ہی ہو تم دنیا پر غالب آ کر رہو گے کیونکہ جو خدا کے ہو جاتے ہیں ان کو کوئی زک نہیں پہنچا سکتا۔ پس میں دوستوں کو ایک دفعہ پھر اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اندر وہ مضبوط ایمان پیدا کرو جس کے بعد دشمن کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ میں اس جماعت کے ایک حصہ کو اپنے ساتھ شامل کر سکتا ہوں مگر اب کیا ہوتا ہے؟ اب ابتلاء پر ابتلاء آتا ہے اور ہر دفعہ دشمن یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اب گر جائیں گے، یہ اب گر جائیں گے۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہتا ہے کہ یہ سب منافق ہیں کیونکہ ابتلاؤں کے وقت منافق گرتا ہے مؤمن نہیں گرتا لیکن اگر تم مضبوطی سے ایمان پر قائم ہو جاؤ تو دشمن اس قسم کی امید بھی نہ کر سکے اور تم تمام دنیا کو فتح کر لو۔

میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے اگر مجھے چالیس مومن مل جائیں تو میں تمام دنیا کو فتح کر لوں [۱۳] اور یہ بالکل سچ ہے مگر ان چالیس مومنوں سے وہی مومن مراد ہیں جو اپنے نفوس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں، جو مصائب و مشکلات پر صبر کرتے اور لمبی اور مسلسل قربانیاں کرتے چلے جاتے ہیں، وہ دشمن کی انگیخت سے برانگیختہ نہیں ہوتے۔ وہ مشکلات اور حوادث سے خوف نہیں کھاتے، وہ صبر کرتے اور قربانیاں کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں اور وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کی کوششوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ کیا تم سمجھتے ہو اگر تم کمزور اور بے بس ہو کر خدا تعالیٰ پر یہ توکل اور اعتماد کرو تو خدا تعالیٰ قادر ہوتے ہوئے تمہارے اعتماد کو ضائع کر دے گا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو تو اس سے زیادہ بے بنیاد اور غلط خیال

اور کوئی نہیں۔ آدم سے لے کر آج تک ہزاروں سال میں یا سائنسدانوں کے قول کے مطابق لاکھوں اور کروڑوں سال میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے صدقِ دل سے خدا تعالیٰ پر اعتماد کیا ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کے اعتماد کو ضائع کر دیا ہو لیکن ایسی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں ملتی ہیں کہ خدا نے بندوں پر اعتماد کیا مگر بندوں نے اس سے غداری اور بے وفائی کی۔ پس یہ ناممکن ہے کہ تم خدا تعالیٰ پر اعتماد کرو اور وہ تمہیں چھوڑ دے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ خود تمہارے دل میں کوئی گند پیدا ہو جائے اور تم اسے چھوڑ دو کیونکہ خدا بے وفا نہیں لیکن بندے بے وفا ہو سکتے ہیں۔

پس اگر حقیقی طور پر تم اس مقام پر کھڑا ہونا چاہتے ہو تو قربانیاں کرو اور کرتے چلے جاؤ اور یہ مت کہو کہ قربانیوں کا زمانہ لمبا ہو گیا۔ آج خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جمالی رنگ میں مبعوث فرما کر چاہا ہے کہ مسلسل اور متواتر قربانیوں سے تمہارے ایمانوں کو مضبوط کرے۔ اگر تم تھوڑی سی قربانی کرتے یا ایک عرصہ تک قربانیاں کرنے کے بعد اپنا قدم پیچھے ہٹا لیتے ہو تو تمہاری مثال بالکل اُس شخص کی سی ہے جو چشمہ کے پاس پہنچ کر اُس سے پیاسا واپس لَوٹتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے۔ اگر تم بھی ایک نبی پر ایمان لا کر ایسے ہی ٹھہرے تو تم سے زیادہ بدقسمت اور کون ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو جہاں اور نصائح فرمائی ہیں وہاں ایک نصیحت یہ بھی کی ہے کہ تم اُس عورت کی طرح مت بنو جو سُوت کاتا کرتی اور پھر اسے کاٹ کاٹ کر ضائع کر دیا کرتی تھی۔ تم کبھی قربانیاں کرتے ہو اور ایک عرصہ تک کرتے رہتے ہو مگر جب ایسے مقام پر پہنچنے لگتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہونے کا وقت آ پہنچتا ہے تو تم اپنا قدم پیچھے ہٹا لیتے ہو اور اس طرح الٰہی فضلوں سے محروم ہو جاتے ہو۔

قرآن کریم میں اس عورت کا جو ذکر کیا گیا ہے یہ ایک مثال ہے جو خدا تعالیٰ نے دی۔ چنانچہ اہلِ عرب کا یہ محاورہ ہے کہ جب وہ کسی شخص کے متعلق یہ کہنا چاہیں کہ اس نے کام کرتے کرتے بگاڑ دیا تو یوں کہتے ہیں کہ اس کی مثال اس عورت کی طرح ہے جو سُوت کاتتی اور پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ لوگوں نے اس محاورہ کو ایک حکایت کا رنگ بھی دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ایک امیر عورت تھی جو خود بھی سُوت کاتتی اور دوسروں سے بھی کتواتی۔

جب بہت سا سُوت اس کے پاس اکٹھا ہو جاتا تو غرباء میں برابر تقسیم کرنے کیلئے سُوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اور اس طرح ساری محنت ضائع کر دیتی۔ بظاہر اپنی طرف سے وہ انصاف کرتی تھی اور کہتی تھی کہ میں کسی کو زیادہ اور کسی کو کم کیوں دوں۔ مگر اپنی حماقت سے اٹّی بیچ میں سے کاٹ دیتی اور بالشت بھر کسی کو دے دیتی اور بالشت بھر کسی کو اِس طرح نہ غرباء کو فائدہ ہوتا، نہ اسے ثواب ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ تم اس عورت کی طرح مت بنو كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا [۱۴] جو سُوت کات کر بعد میں اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اور اپنی تمام محنت ضائع کر دیتی۔

تم میں سے بھی بعض خدمتِ دین کرتے اور اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق خدا تعالیٰ کے سلسلہ کی مدد کرتے ہیں مگر پھر کسی گناہ کی وجہ سے یا سُستی اور غفلت اور بے ایمانی کی وجہ سے یا خدا تعالیٰ پر بے اعتمادی کی وجہ سے ان قربانیوں کو ایسے وقت میں ضائع کر دیتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات نازل ہونے کا وقت قریب ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو اور اس سے دعا کرو کہ وہ تمہیں كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا کا مصداق نہ بنائے۔ تمہاری قربانیوں کو قبول فرمائے اور تمہیں توفیق عطا فرمائے کہ تم قربانیوں کے میدان میں آگے ہی آگے قدم اُٹھاتے چلے جاؤ۔ پھر قادیان والوں کو اور باہر کی جماعتوں کو بھی دعائیں کرنی چاہئیں کہ ہم اس طریق کو اختیار کریں جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اور اسلام اور احمدیت کو مضبوط کرنے والا ہو اور ان راہوں پر چلنے سے محفوظ رکھے جو اسلام اور احمدیت کیلئے مُضر ہوں۔ ہماری غفلتوں کو معاف کرے، ہماری کوتاہیوں سے درگزر کرے اور ہمیں اپنے فضل سے ہدایت دے کر اپنی خوشنودی اور رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین"

(الفضل ۲۳ / مارچ ۱۹۳۸ء)

---

۱ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ (القصص: ۴۶، ۴۷)

۲ الاحزاب: ۱۴　　۳ ال عمران: ۱۶۸　　۴ البقرة: ۱۲ تا ۱۴

۵ ال عمران: ۱۷۴　　۶ العنکبوت: ۷۰　　۷ الجمعة: ۷

۸ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۹۲، ۳۹۳ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۴ء

۹ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۹۴، ۳۹۵۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۶۴ء

۱۰ بخاری کتاب الصلح باب الصلح مَعَ الْمُشْرِکِیْن

۱۱ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد (الخ)

۱۲ بخاری کتاب الایمان باب حلاوة الایمان

۱۳ ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۳۴۲۔ جدید ایڈیشن

۱۴ النحل: ۹۳